وقاص رفیع
پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر (اردو)
بین الاقومی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

آغا ناصر کی آپ بیتی "آغا سے آغا ناصر تک" کا اسلوبیاتی تجزیہ

Abstract:
The purpose of the article is a stylistic analysis of Agha Nasir's autobiography, to aware the readers about the unique and comprehensive style in Agha Nasir's autobiography. The author used common people's language in his autobiography. His style from 'Agha to Agha Nasir' is aphoristic, there is incessant and permanent pleasure. He presented bitter political panorama in an alluring way to readers. Characteristics of numerous style are present in his autobiography, which distinguish him from other writers. His autobiography occupies all literary aspests. It possesses significance position in Urdu literature, due to his simplicity of style. Its simplicity and comprehensiveness made it rival to other autobiographies in Urdu litearure. There are many autobiogrphies in Urdu literature but a few of them meet literary requirements. Agha Nasir's biography is distinguished because of its alluring and simple style. Agha Nasir presented his style in a new way to his readers. He beautified his style by deep observation and artistic grasp. His diction is encyclopedic and ephoristic.This is the reason that reader connot collapse thier attention while reading autobiography from ' Agha to Agha Nasir' and they keep themselves inebriate. His writing style, which contains simple style, comprehensiveness and ephorism, all these qualities are the cause of its papularity.

آج دنیا بھر کے ادب میں اسلوب کے تجزیاتی مطالعات کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس سے قبل کبھی نہ تھی۔ آج شاعروں کے لفظ ان کے خصوصی مزاج اور برتاؤ کے سبب استعمال میں آکر ان کی ذات کا آئینہ بن گئے ہیں۔ معاصر ادب میں لفظ شناسی اپنے اندر نفسیاتی، سماجی، عمرانی اور تہذیبی تلازمات کی کئی تہیں، پرتیں اور رنگ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں ادبیات ایک جداگانہ مضمون بلکہ سائنس ہے اور اہلِ قلم کے فکری و فنی تجزیے میں

ادبیاتی نقطہ ء نظر کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اسلوب کو سمجھنے سے پہلے ہم اس کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فیروزاللغات میں مولوی فیروزالدین فیروز اسلوب کے معنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلوب (اُس۔لُوب) (ع۔ا۔مذ) طریقہ، طرز، روش، جمع اسالیب"۔ (۱)

وہ اندازِ تحریر جس سے لکھاری کی سوچ، اس کی فکر اور اس کے جوہر نمایاں ہوں اسلوب کے زمرے میں آتا ہے۔ کسی بھی ادب پارے کا اسلوب اپنے مصنف کی فکر کو قارئین کے سامنے متعارف کرواتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب کسی فن پارے کے اندر مصنف کی شخصیت کا پرتو ہے۔ لکھاری کے لکھنے کا انداز، رنگ ڈھنگ اور لہجہ اس کی تحریر سے نمایاں ہوتا ہے۔ معانی و مفاہیم کے استعمال سے اسلوب ایک وسیع تر اصطلاح ہے۔ ایک ادیب کا دوسرے ادیب سے لکھنے کا منفرد انداز ہی اسلوب ہے جو اس ادیب کو اس دور کے دیگر مصنفین سے انوکھی اور جداگانہ شناخت عطا کرتا ہے۔ اسلوب کسی بھی شخصیت کی تحریر کا وہ انداز ہے جس میں اس شخصیت کا عکس ہو بہو جھلکتا نظر آتا ہے۔ تحریر کے اندر لکھاری کا وہ انداز جو قارئین کو متاثر کرے اسلوب کے معنی میں آتا ہے۔ ہر ایک ادیب کی کوشش ہوتی ہے کی وہ اپنے اسلوب میں تمام اسلوبیاتی وسائل (سوز و گداز، شعریت، فصاحت، بلاغت، آہنگ، تکرار، ترنم، قطعیت، سادگی اور سلاست وغیرہ) وسائل کا استعمال کر کے اپنی بات کو قارئین تک بلیغ انداز میں پہنچائے۔ اس تناظر میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"اسلوب سے مراد بات کو بلیغ انداز میں پیش کرنا اور وہ تمام وسائل استعمال کرنا مراد ہے جن سے کوئی ادبی تحریر موثر ثابت ہو سکتی ہو"۔ (۲)

کسی شاعر یا ادیب کے خاص طرزِ تحریر کو اسلوب کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ اندازِ تحریر جو ایک ادیب کو دیگر ادیبوں کی طرزِ تحریر سے اُسے منفرد اور ممتاز مقام عطا کرے وہ اس ادیب کا اسلوب ہے۔ وہ لکھاری صاحبِ طرز اور صاحبِ اسلوب ادیب کہلاتا ہے جس کی تحریر میں ایک خاص انداز پایا جاتا ہو جو صرف اسی ادیب کی ذات سے وابستہ ہو۔ اسلوب کسی بھی مصنف کی طبیعت اور مزاج کا حصہ ہوتا ہے جو اس کی تحریر میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جس لکھاری کی تحریر کے اندر ایسی کشش اور تاثیر پائی جائے جو قاری کو قرأت کے دوران مسحور مسرور کر دے وہ اس ادیب کا اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اپنی شہرہ کتاب "ادبی تنقید اور اسلوبیات" میں یوں رقم طراز ہیں:

"اسلوب زیور ہے ادبی اظہار کا جس سے ادبی اظہار کی جاذبیت، کشش اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے"۔ (۳)

اسلوب کسی بھی فن پار کے اندر اپنے خالق کی فکر اور سوچ کو نمایاں کرتا ہے۔ کسی بھی فن پارے کے اندر مصنف کی تحریر یہ واضح کرتی ہے کہ کس حد تک یہ ادیب ادب کے مختلف پہلو سے آگاہی رکھتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لفظ 'اسلوب' کے مختلف معانی رواج پاتے چلے آئے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف 'ادبی تنقید اسلوبیات' میں لکھتے ہیں:

"اسلوب کوئی نیا لفظ نہیں۔ مغربی تنقید میں یہ لفظ صدیوں سے رائج ہے۔ اردو میں اسلوب کا تصور نسبتاً نیا ہے۔ تاہم زبان و بیان، اندازِ بیاں، طرزِ تحریر، لہجہ، رنگ، سخن وغیرہ کی اصطلاحیں اسلوب یا اس سے ملتے جلتے معانی میں استعمال کی جاتی رہی ہیں"۔ (۴)

ہر ایک مصنف اپنے موضوع کو پیش کرنے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کرتا ہے۔ ان نت نئے طریقوں میں سے مصنف مواد کو کہانی کے اندر ڈھالنے کا جو نیا طریقہ اپناتا ہے وہ اس کا اسلوب کہلاتا ہے۔ ہر مصنف اپنے موضوع کو پیش کرنے کے حوالے سے آزاد اور خود مختار ہوتا ہے۔ مصنف اپنی بات کو بیان کرنے کا جو مناسب اور موزوں ذریعہ ءاظہار سمجھتا ہے وہ اسی انداز میں اپنے خیالات کو قلم کے ذریعے قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کہانی کے اندر موضوع کو منفرد انداز میں پیش کرنا اور اپنے ہم عصر ادیبوں میں منفرد انداز اختیار کرنا اور یہ منفرد انداز بھی اُس ادیب کے مزاج کا حصہ بن جائے تو وہ مسلسل اسی مشق کے بعد صاحب اسلوب ادیب بن جاتا ہے۔ ہر ایک ادیب کا اسلوب وقت، عمر اور تجربے کے ساتھ ساتھ مختلف تبدیلیوں کو قبول کرتا ہے۔ اسلوب کے اندر سنجیدگی اور متانت مسلسل مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ بعض ادیب اپنے منفرد اسلوب، طنز و مزاح، سنجیدگی، پھکڑ پن، رعایت لفظی یا دیگر کسی خصوصیات کی وجہ سے اپنی اسلوبیاتی پہچان رکھتے ہیں۔ جیسے احمد فراز کا اگر ہم نثری اسلوب دیکھیں تو وہ جملہ سازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

ندرتِ خیال، جدت بیان اور تازگی، جیسی اعلیٰ اسلوبی خصوصیات کی وجہ سے کوئی بھی فن پارہ اعلیٰ خصوصیات کا حامل ہو سکتا ہے۔ صاحب اسلوب ادیب فن پارے میں خیال کی جدت اور بیان کی ندرت پیدا کر کے اس فن پارے کو فن کی بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ اسلوب ادب کا اجتماعی رویہ نہیں بلکہ یہ انفرادی طور پر اپنی پہچان رکھتا ہے۔ اسلوب کسی بھی لکھنے والے کا انفرادی طرزِ نگارش ہے۔ سید عابد علی عابد اپنی تصنیف 'اسلوب' میں اسلوب کے انفرادی طرز نگارش کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کا وہ انفرادی طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہوتا ہے۔ اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہوتے ہیں"۔ (۵)

اسلوب تنقیدِ ادب میں شروع ہی سے اہم موضوع رہا ہے۔ اس حوالے سے مشرق و مغرب میں اہم ترین کاوشیں منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ اسلوبیاتی حوالے سے بہت سے نثری فن پاروں کا گیرائی اور گہرائی سے مطالعہ کیا جاتا رہا ہے۔ اسلوب کسی بھی فن پارے کا نہ صرف ایک حصہ ہے بلکہ اس فن پارے کا جزو لاینفک ہے۔ فن پارے کے اندر کسی بھی مصنف کی شخصیت چھپی ہوئی ہوتی ہے جو قاری کو آگاہ کر رہی ہوتی ہے کہ یہ فلاں لکھاری کی طرزِ تحریر ہے۔ تحریر کا ادبی اظہار اسلوب کے زمرے میں آتا ہے۔ وہ ادبی اظہار لفظوں کے چناؤ کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کسی خاص سانچے کو استعمال کرنے سے یا پھر تحریر کے اندر کشش اور تاثیر کی وجہ بھی ادبی اظہار ممکن ہے۔ کسی بھی خیال کو اگر کوئی مصنف دلکش پیرائے میں پیش کرتا ہے جو قاری کو مسحور کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ نسبتاً اعلیٰ اسلوب کے زمرے میں آتا ہے۔ صاحب اسلوب ادیب اپنے مزاج کو اپنے عہد کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اپنے اسلوب کو منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ کسی بھی ادیب کا مختلف زبانوں پر عبور، صرف و نحو، اصولِ بیان سے مکمل آگاہی، ادبی روایتوں اور ادب پاروں کا مطالعہ اس کے اسلوب کو خوبصورت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی فن پارے یا ادب پارے میں فکر کی گہرائی، جوشِ بیان، نازک خیالی، تازہ کاری اور فکری پہلو داری منفرد اور خوبصورت اسلوب کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

اسلوب دراصل اسٹائل ہے تحریر کا۔ کوئی بھی مصنف جو طریقہ اپناتا ہے وہی اسٹائل ان کی اسلوبیاتی پہچان بن جاتا ہے۔ یہ طرزِ تحریر، سٹائل یا اسلوب کا اطلاق معمولی تحریروں پر نہیں بلکہ تخلیقی تحریروں پر ہوتا ہے۔ اچھا اسٹائل اسلوب، محنت اور کاوش کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ صاحب اسلوب ادیب ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو اس کے خیالات کو منتشر نہیں کر سکتے اور الفاظ کا صحیح استعمال بھی مناسب خیال کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی مناسب خیال فکر و معنی سے فن پارے کو بلند کرتا ہے۔ سید عابد علی عابد اسلوب کے حوالے کچھ یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"اسلوب دراصل فکر و معنی اور ہیئت و صورت یا قافیہ و پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے"۔ (۶)

جداگانہ حیثیت بلند اسلوب کا معیار بنتا ہے۔ مواد کے اندر اسلوب کی خوبصورتی ایسے ہے جیسے مٹی کے اندر رنگ کی رعنائی پائی جائے۔ اس سلسلے میں ممتاز شیریں لکھتی ہیں:

"ایک برتن بنانے والے کے لیے سب سے پہلے مٹی کی ضرورت ہوتی ہے اسے مواد سمجھ لیجئے پھر اس میں رنگ ملایا جاتا ہے۔ یہ اسلوب ہے۔ پھر کاری گر مٹی اور رنگ کے مرکب کو اچھی طرح گوندھتا، توڑتا، مروڑتا، دباتا، کھینچتا، کسی حصے کو گول کسی کو چوکور کہیں سے لمبا، کہیں سے گہرا کرتا اور مخصوص شکل پیدا ہونے تک اس طرح مواد ڈھالتا چلا جاتا ہے"۔ (۷)

محولہ بالا اقتباس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تحریر میں ادیب کی فکر چھپی ہوتی ہے۔ اگر ادیب کو پرکھنا ہے تو اس کے اسلوب والفاظ وتراکیب کو پرکھا جائے۔ اسلوب چونکہ کسی بھی ادیب کا پرتو اور عکس ہوتا ہے اس لئے ادیب کو سمجھنے کے لیے اس کے ادیب پارے کے اندر پائی جانی والی اسلوب کی خوبصورتی کو سمجھا جائے۔ اسلوب ایک خاص طریقہ اظہار ہے جس کے اندر لکھنے کا سلیقہ اور قرینہ پایا جاتا ہے۔ یہ وہ طریقہ، سلیقہ اور قرینہ ہے جو ایک فن کار اور تخلیق کار اپنے فن اور اپنی تخلیق میں حسن، کشش اور گہرائی پیدا کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے اسلوب غیر اختیاری عمل ہے تاہم تخلیق کی شعوری کوشش کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلوب مصنف کی شخصیت کا ایک ایسا پرتو ہے جو ایک قاری کے سامنے خوب بصورت انداز کی صورت میں آتا ہے۔ اسلوب میں مصنف کے تجربات الفاظ کی صورت میں قارئین کے سامنے آتے ہیں۔

آغا ناصر کے اسلوب کی خصوصیات: "آغا سے آغا ناصر تک" کے تناظر میں:

"آغا سے آغا ناصر تک" اپنے اسلوب کی بناء پر اردو آپ بیتی نگاری کی روایت میں ایک منفرد مقام کی حامل آپ بیتی ہے۔ مذکورہ آپ بیتی کا اسلوب خوبصورت اور رواں ہے۔ ہر ایک فن پارہ اپنے ساتھ اسلوب کے نت نئے رویوں کو قارئین کے سامنے لاتا ہے اور یہ نت نئے رویے کسی بھی لکھنے والے کی مقبولیت کا سبب بنتے ہیں۔ آغا ناصر کی آپ بیتی کو اسلوب کی ندرت اور جدت کی وجہ سے بہت پذیرائی مل رہی ہے۔ "آغا سے آغا ناصر تک" میں اسلوب کی مختلف اچھوتی اور دلکش خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

"آغا سے آغا ناصر تک" کا اسلوب جامع اور مرصع ہے۔ آغا ناصر کی اس تصنیف کی نثر میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ آغا ناصر نے تلخ سیاسی واقعات کو بھی خوبصورت اسلوب کے ذریعے شیریں انداز میں قاری کے سامنے پیش کیے ہیں۔ آغا ناصر کی اس خودنوشت سوانح حیات میں اسلوب کی بہت سی صفات ایسی ہیں جو آپ کو دیگر معاصرین لکھاریوں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔ آغا ناصر کی خودنوشت سوانح اسلوب کے تمام فنی پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ خودنوشت سوانح حیات اسلوب کی سادگی کی وجہ سے اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ سادگی، روانی، برجستگی اور جامعیت نے اس آپ بیتی کو فنی حوالے سے اردو کی دیگر آپ بیتیوں کے مدِمقابل لا کھڑا کیا ہے۔ اردو زبان میں یوں تو بے شمار آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک فکری و فنی حوالے سے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ آغا ناصر کی خودنوشت میں جو انفرادیت پائی جاتی ہے وہ آپ کا خوبصورت، رواں اور سادہ اسلوب ہے۔ کسی بھی مصنف کی تحریر میں اسلوب کی خوبصورتی مشق اور ریاضیت کے

بغیر ممکن نہیں۔"آغا سے آغا ناصر تک " میں آغا ناصر نے اپنے اسلوبیاتی فن کو قارئین کے سامنے اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔

آغا ناصر نے جو مختلف سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور تاریخی واقعات پیش کیے ہیں ان واقعات کے بیان میں میں آپ نے اپنے اسلوب میں ندرت وجدت پیدا کر کے ان واقعات کو اچھوتا بنا دیا ہے۔ آغا ناصر نے "آغا سے آغا ناصر تک" میں جو اسلوب کی نمایاں صفات استعمال کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ زبان وبیان پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔"آغا سے آغا ناصر تک" کے اسلوب کی نمایاں صفات درج ذیل ہیں۔

روانی اور برجستگی:

اسلوب کی بناء پر ہر فن پارہ اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے شروع سے لے کر آج تک اردو ادب کے تدریجی ارتقاء میں ہر فن پارہ اپنے انوکھے اور نرالے اسلوب کی بناء پر پسند کیا جاتا رہا ہے۔اس طرح کی مثال ہمارے سامنے آغا ناصر کی خودنوشت سوانح حیات "آغاسے آغاناصرتک "کی بھی ہے۔اسلوب کے حوالے سے آغا ناصر کی یہ تصنیف ایک بہترین شاہکار ہے۔اس تصنیف "آغاسے آغاناصرتک" کو پڑھ کر قاری بیک وقت اس کے دو پہلو سے لطف اندوز ہو سکتا ہے ایک آغا ناصر کے حالات زندگی اور دوسرا اس کتاب کا اسلوب۔ آغا ناصر اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں اپنے خوبصورت اسلوب کی وجہ سے قاری کے سامنے آتے ہیں۔آغا ناصر کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کے اسلوب نے انھیں ہمیشہ کے لیے ادب کی دنیا میں زندہ وجاوید بنا دیا ہے۔ آپ نے اپنی سوانح میں اپنے ذاتی، خاندانی اور دیگر حالات کو خوبصورت اسلوب کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔ آغا ناصر نے زبان ایسے سلیقے اور قرینے سے استعمال کی ہے کہ ان کی یہ تخلیق قاری کو مسرور کر دیتی ہے۔ آغا ناصر کا اسلوب نگارش اگر "آغاسے آغاناصرتک" کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان کے اسلوب کے اندر پائی جانے والی روانی اور برجستگی ہی اس تصنیف کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔روانی اور برجستگی کے حوالے سے ان کی کتاب "آغاسے آغاناصرتک" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "مجھے یاد ہے آخری بار اعلانِ آزادی سے پہلے جب میں دہلی گیا تھا تو میں نے بہت مزے کیے تھے۔ میرا خالہ زاد بھائی سلیمان اپنے والد کے ساتھ راشن شاپ پر کام کرتا تھا۔ وہ روزانہ دوپہر کے بعد کرایہ کی سائیکل لے کر آجایا کرتا جہاں سے ہم آوارہ گردی کرنے نکل جاتے۔گھر سے نکل کر سب سے پہلے ہم سگریٹ پیتے تھے اور ادھر ادھر گھومتے رہتے تھے"۔ (۸)

آغاناصر کی خودنوشت سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں روانی اس قدر پائی جاتی کہ ایک عام قاری بھی اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنی بات بر محل اور موقع کے مطابق کی ہے جس سے آپ کی نثر کی دلکشی میں اضافہ ہوا ہے۔

انگریزی الفاظ کا استعمال:

ایک ادیب دوسرے ادیب سے کیونکر یا کیسے منفرد ہو سکتا ہے یا پھر ایک نقاد عظیم اور دوسرا کم درجے کا کیونکر یا کیسے ہو سکتا ہے؟ نقادوں اور ادیبوں کو صرف ان کا اسلوب ہی انھیں پست معیار یا اعلیٰ معیاری درجے پر لے جاتا ہے۔ آغاناصر کی اس تصنیف میں جو چاشنی پائی ہے وہ آپ کا انگریزی ڈکشن کا استعمال ہے۔ انگریزی الفاظ آغا ناصر کو ان کے معاصر ادیبوں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتے ہے۔ آغاناصر نے اپنی عمر کہانی میں اردو الفاظ کے ساتھ ساتھ انگریزی الفاظ کا بھی حسین امتزاج پیدا کیا ہے۔ جب ہم آغاناصر کے انگریزی الفاظ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آغاناصر الفاظ کو مختلف انداز میں مختلف پہلوؤں سے برتنے کا گُر بخوبی جانتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کے استعمال نے اس آغاناصر کی خودنوشت سوانح عمری "آغا سے آغا ناصر" کی عبارت کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ کسی بھی تحریر کو خوبصورت بنانے کے لیے مصنف شعوری اور لاشعوری طور پر الفاظ کو موزوں اور مناسب طریقے استعمال کرتا ہے تاکہ قاری پر گراں نہ گزریں۔ اپنی نثر کی خوبصورتی کو بڑھنے کے لیے آغاناصر نے انگریزی الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کے اندر وسعت گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ اردو وہ واحد زبان ہے جو اپنے اندر مختلف زبانوں کے الفاظ کو جگہ دیتی ہے۔ اس طرح آغاناصر نے بھی زبان میں وسعت پیدا کرنے کے لیے انگریزی الفاظ کو سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ آغاناصر کے انگریزی الفاظ کا اقتباس آپ کی سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" سے ملاحظہ ہو:

> "انہوں نے بتایا شام کو راحت اللہ ہوٹل میٹروپول کے ڈائنگ روم پہنچے۔ مینو کارڈ منگایا۔ جو کچھ بھی آرڈر کیا جا سکتا کر دیا۔ ان کے ساتھ جو ہوا وہ بڑا عبرت ناک تھا۔ پہلے تو ہوٹل کے سیکورٹی والوں نے خوب پٹائی کی۔ پھر مینجمنٹ نے پولیس کو بلا لیا"۔ (۹)

آغاناصر نے جو انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کسی قدر بھی ادبیت سے کم نہیں۔ آغاناصر کا تحریر میں انگریزی زبان کے الفاظ کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اردو ادب کے ساتھ ساتھ انگریزی ادبیات کے بھی ماہر تھے۔

مزاح:

مزاح کے لفظی معنی ہیں ہنسی مذاق۔ مزاح میں انسانی ناہمواریوں پر ہمدردانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ مزاح نہ صرف اردو ادب کی مختلف اصناف بلکہ انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ انسانی زندگی کے بعض مخصوص مواقع پر مسکرانا، ہنسنا، یا قہقہے لگانا مزاح کے اظہار کے مختلف انداز ہیں۔ انسانی زندگی کو نہ صرف متوازن رکھنے کے لیے بلکہ اس میں جذبات کی تسکین کے لیے مزاح لازمی عنصر ہے۔ مزاح کے بغیر انسانی زندگی کے اندر لطف ختم ہو جاتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں مزاح کے عنصر کو استعمال کر کے اپنی نثر کو خوبصورت بنایا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی نثر میں جو مزاح استعمال کیا ہے اس میں آپ کی محبت و قرابت کا عنصر نمایاں ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی معروف تصنیف 'اصناف ادب' میں مزاح کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سنجیدگی کے دوش بدوش مزاح بھی ایک اہم پہلو ہے"۔ (۱۰)

آغا ناصر کے ہاں ہلکا پھلکا مزاح پایا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی بات کو موثر بنانے کے لیے مزاح کا پہلو استعمال کیا ہے۔ آپ کے ہاں مزاح طنز کی شکل اختیار نہیں کرتا بلکہ مزاح ہی رہتا ہے۔ آغا ناصر نے شوکت تھانوی کے ساتھ گفتگو کے دوران جو مزاح کا ایک رنگ پیدا کیا اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

"اس کے بعد میں اور شوکت تھانوی دوسرے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ ملاقات ختم ہوئی چلتے وقت جب میں ان سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ تو انھوں نے میرے دانتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "پان کھاتے ہو؟" میں نے جواب دیا "ایک غریب ریڈیو پروڈیوسر پان کے علاوہ اور کیا کھا سکتا ہے"۔ (۱۱)

ایک اور جگہ آغا ناصر کا مزاح دیکھیے جس سے قاری بہت لطف اندوز ہوتا ہے۔ اپنی خودنوشت سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں آپ اپنے بچوں کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میرے بیٹے کی پیدائش لاہور کی ہے۔ اس لیے ہم نے لاہور کے سمیع کلینک کو منتخب کیا تھا۔ سخت سردیوں کا زمانہ تھا جب صفیہ نے رات کو اسپتال جانے کا سگنل دیا"۔ (۱۲)

مزاح اردو میں کوئی نئی چیز نہیں بلکہ آغا ناصر سے پہلے بھی نثر و شاعری میں مزاح کی ایک روایت چلی آ رہی ہے۔ اکبر الہ آبادی اور سید ضمیر جعفری کا نام بھی مزاح کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اردو شاعری کے موجودہ دور میں مزاح کے حوالے انور مسعود، اسد جعفری اور عطاالحق قاسمی کے نام اہمیت کا حامل ہیں۔ اردو نثر و شاعری میں بعض مزاحیہ کردار بھی استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد کا "مرزا ظاہر بیگ"،

سید امتیاز علی تاج کا "چچا چھکن"، کنہالال کپور کا "چچاافلاطون"، رتن ناتھ سرشار کا "خوجی"، منشی سجاد حسین کا "حاجی بغلول" بہت اہمیت کے حامل مزاحیہ کردار ہیں۔ اردو نثر کے حوالے سے چراغ حسن حسرت کی کتاب "جدید جغرافیہ پنجاب" مزاح کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ اردو نثر میں مزاح سے حوالے سے رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری اور مشتاق احمد یوسفی کا نام عقیدت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ سید عابد علی عابد اپنی شہرہ آفاق کتاب "اسلوب" میں مزاح کی روایت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"طنز و مزاح اردو نظم میں بھی ہے اور اردو نثر میں بھی اور دونوں میں معدودے چند آدمیوں کی بناء پر بذلہ سنجی، ظرافت اور طنز کی آبرو ہے"۔ (۱۳)

آغا ناصر نے "آغا سے آغا ناصر تک" کی نثر میں الفاظ کو اس طرح استعمال کیا ہے جن سے تمسخر اور مزاح کی بو آتی ہے۔ یہ تمسخر اور مزاح آغا ناصر کی تصنیف کی عبارت کا حسن ہے۔ آغا ناصر نے جو مزاح پیدا کیا ہے اس سے قاری نہ صرف لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اس سے آپ کی ادبی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

خوبصورت الفاظ وتراکیب کا استعمال:

الفاظ کا بہترین چناو کسی بھی تحریر کے حسن کا ادبی زیور ہے۔ محاورہ، روزمرہ اور الفاظ وتراکیب کا استعمال کسی بھی ادیب کے اسلوب کو چکا چوند کر دیتے ہیں۔ الفاظ ہی قاری کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ تحریر تو ہر شخص صفحہ قرطاس پر بکھرتا ہے مگر الفاظ کے انتخاب میں روز مرہ، محاورہ اور تراکیب کا استعمال کیا جائے تو اس فن پارے کا حسن ہی دوبالا ہوتا ہے۔ اچھے الفاظ وتراکیب کے استعمال سے پست معیار تحریر کو بھی فن کی بلندیوں تک لے جایا جا سکتا ہے اور اگر اس کے برعکس کسی اعلیٰ خیال کو پست الفاظ کے ذریعے پیش کیا جائے تو وہ اپنی قدر و قیمت کھو دیتا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی تصنیف میں الفاظ کے انتخاب میں بڑی مہارت سے کام لیا ہے۔ آپ نے الفاظ کے ساتھ ساتھ تراکیب کو بھی بڑے احسن طریقے سے برتا ہے۔ جب الفاظ کو اس طرح اکٹھا استعمال کیا جائے تو وہ ایک نئے مفہوم کے ساتھ سامنے آئیں وہ الفاظ تراکیب کے زمرے میں آتے ہیں۔ آغا ناصر نے بھی جہاں خوبصورت الفاظ کا چناؤ کیا ہے وہیں پر تراکیب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

"رقص و موسیقی کی محفلیں مشاعرے کھیل تماشے بھی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔ کھانے پینے کے اسٹالوں کی بھی بہتات ہوتی ہے۔ جس میں میرٹھ کے مشہور کباب اور سوہن حلوے پوری کچوری، چاٹ والے اور پنواڑی کی دوکانوں پر ہمیشہ بھیڑ رہتی ہے۔ غرض اشیائے خوردونوش اور سیر و تفریح کے لحاظ سے یہ ایک بھرپور میلہ ہوتا ہے"۔ (۱۴)

آغاناصر کی تصنیف "آغاسے آغاناصر تک" کا اسلوب بڑا انوکھا اور نرالا ہے۔ آپ کا نثر لکھنے کا انداز قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے زبان و بیان کو بڑے ماہرانہ اور فنکارانہ طریقے سے برتا ہے۔ آپ نے واقعات کو جس احسن انداز میں بیان کیا اس سے آپ کی فکر کے ساتھ ساتھ آپ کا اسلوبیاتی پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔ ہر ایک ادیب اپنے اسلوبیاتی حوالے سے ایک خاص پہچان رکھتا ہے۔ وہ پہچان زبان و بیان کی بھی ہو سکتی ہے ،خیالات کی معنی آفرینی کی بھی، تحریر کی پختگی و شیفتگی کی بھی تحریر کی روانی اور سلاست کی بھی اور خوبصورت الفاظ کے چناؤ کی بھی۔ الفاظ کا تال میل، ان کا کٹھ جوڑ، تحریر کے اندر مواد کی ڈھلتی ہوئی صورت اور ان میں الفاظ کی ایک ترتیب و تنظیم کسی بھی ادیب کے اسلوب کی پہچان ہوتی ہے۔ کچھ اس طرح کی الفاظ کی صورت حال ہمیں آغاناصر کی نثر میں بھی نظر آتی ہے۔ آغاناصر نے اس اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک " میں الفاظ کا جو خوبصورت چناؤ کیا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> "اس خوشگوار صبح کو جب میں لاہور پہنچا تو مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں ادب، ثقافت، آرٹ اور فن کے آسمانوں کے درخشاں ستاروں کی ایک پوری کہکشاں میری منتظر ہے اور ان سارے مشاہیر کو نہ صرف قریب سے دیکھوں گا بلکہ ان میں سے اکثر کے ساتھ کام کرنے کا موقع بھی ملے گا اور قربت کے رشتے بھی استوار ہونگے"۔ (۱۵)

آغاناصر نے اپنی اس تصنیف میں اپنی فنی جادوگری اور تخلیقی ہنرمندی کے باوصف الفاظ میں بھی حرارت اور حرکت پیدا کر دی۔ وہ الفاظ بالکل ساکت و جامد پرچھائیوں کی صورت میں تھے آپ نے ان میں جان ڈال کر اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق استعمال کیے ہیں۔ آغاناصر کی اس تصنیف میں اسلوب کی پختگی اس بات سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ آپ نے طویل فنی مشق اور ریاضت سے کام لیا ہے۔ آغاناصر کا اسلوب اگر ہم "آغا سے آغا ناصر تک" کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو آپ کے اسلوب میں مختلف عناصر کارفرما ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ کے الفاظ کے استعمال میں پختگی پائی جاتی ہے۔ ان عناصر میں آپ کی افتادِ طبع، میلان، علمیت، معاشرتی و ادبی رجحانات اور خصوصاً شعراء کا مطالعہ و شعراء کے ساتھ ادبی محفلوں میں شرکت شامل ہیں۔ آغاناصر فیض احمد فیض، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، اداجعفری، کشور ناہید، افتخار عارف، قدراللہ شہاب، جمیل الدین عالی، حبیب جالب اور شوکت تھانوی جیسے معروف ادیبوں کے ساتھ مختلف مشاعروں میں شامل رہے اور ان کے ادبی معرکوں سے بہت کچھ سیکھا جس کی وجہ سے آپ کے الفاظ کے استعمال میں قاری کو پختگی نظر آتی ہے۔

داخلیت و خارجیت کا حسین امتزاج:

ادیب عام لوگوں کی نسبت معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے۔ جتنا کچھ وہ معاشرے کو دیتا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ اس معاشرے سے اس کا اثر بھی قبول کرتا ہے۔ ہر ادیب اپنی تحریر میں اپنے ذاتی خیالات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بیرونی حالات وواقعات کو اپنے تاثرات میں سمو کر پیش کرتا ہے۔ اس طرح اس ادیب کی تحریر کے اندر داخلیت کے ساتھ خارجیت کا آجانا ایک فطری عمل بن جاتا ہے۔ نسبت آغا ناصر کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کے اسلوب میں صرف داخلیت نہیں بلکہ خارجیت بھی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ بیتی جیسی صنف میں زیادہ تر انسان کے اپنی ذات سے وابستہ حالات وواقعات رقم کیے جاتے ہیں لیکن داخلیت میں بھی زیادہ اثر خارجی ماحول کا ہوتا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی ذات کے علاوہ گزشتہ روایات ماحول اور دیگر حالات وواقعات کو زندہ رکھنے کے لیے خارجیت کے پہلو کو بھی اپنایا ہے۔ آغا ناصر کی آپ بیتی کے اندر داخلیت اور خارجیت کا حسین امتزاج ہے۔ آغا ناصر نے اپنی سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں اپنے ذاتی احوال کے علاوہ بیرونی احوال بھی رقم کیے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ انسان کی زندگی پر خارجی اثرات بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ آغا ناصر چونکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے بہت عرصہ تک مینجنگ ڈائریکٹر رہے ہیں اس لیے جو بھی حکومتی پالیسی ہوتی وہ براہ راست آپ کی ذات سے وابستہ ہوتی تھی کیونکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن حکومتی اہم اداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے آغا ناصر نے اپنی نثر میں داخلیت کے ساتھ ساتھ خارجی پہلو کو اپنی نثر کے اندر جگہ دینا مناسب سمجھا ہے۔ داخلیت وخارجیت کے امتزاج کے حوالے آغا ناصر کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ویسے نا اہل اور بے ایمان افسروں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ انتخاب بڑا دشوار ہے۔ بس دو چار مثالیں کافی ہیں۔ ایک بہت بڑے افسر اپنے نیچے کام کرنے والے چھوٹے افسروں کے خلاف ہمہ وقت سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور کوئی موقع ان کی تذلیل کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ان کو اس میں خاص مزہ آتا تھا"۔ (۱۶)

آغا ناصر کی خودنوشت سوانح حیات 'آغا سے آغا ناصر تک' میں داخلیت کے ساتھ خارجیت بھی ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ آغا ناصر نے خارجیت کے بیان میں تکلف و تصنع نہیں برتا بلکہ سادگی و سلاست کے ساتھ آپ نے حقیقت پر مبنی واقعات رقم کیے ہیں۔ رانا محمد صفدار ادا 'اردو آپ بیتی کی تاریخ' میں اسی تناظر میں لکھتے ہیں:

> "آپ بیتی میں چونکہ خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ دلی جذبات اور احساسات کا بیان ہوتا ہے۔ اس لیے میں اسلوب سادگی و سلاست کا متقاضی ہے۔ کسی قسم کے تکلف و تصنع کی یہاں گنجائش نہیں ہوتی"۔ (۱۷)

یہ ایک حقیقت ہے انسان پر خارجی ماحول داخلی ماحول کی نسبت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ آغا ناصر بھی خارجی ماحول سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ ان خارجی عوامل میں پاکستان کے بار بار کے مارشل لاء، دشمن ممالک کے ساتھ جنگیں، سقوط ڈھاکہ اور آپ کے خاندان کی ہجرت جیسے عوامل شامل ہیں۔

استفہامیہ انداز:

اپنے آپ سے سوال کرنا اور دوسروں سے سوال کرنے میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ کہ سوال خود بھی ایک جواب ہی ہے جس سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات مصنف اپنی تحریر میں کسی خاص نقطہ کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی طرف سوالیہ انداز اپناتا ہے۔ مصنف کا سوالیہ انداز اپنانے سے قاری غور فکر پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خاموشی بھی دراصل ایک آواز ہوتی ہے جس کے اندر بولنے کی نسبت زیادہ اثر و تاثیر پائی جاتی ہے۔ اس طرح تحریر کے اندر واضح انداز میں بات لکھنے کی بجائے اگر سوالیہ انداز اپنایا جائے تو قاری اس تحریر کو زیادہ غور و فکر سے پڑھتا ہے۔ ہر لکھنے والے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسا انداز اپنایا جائے جس سے قاری زیادہ سے زیادہ اس تحریر کی طرف متوجہ ہو۔ سوالیہ انداز اپنانے سے مصنف کا بات کرنے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور قاری بھی تحریر سے لطف اندوز ہو جاتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی اپنی نثر کی عبارت میں سوالیہ انداز اپنایا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی خودنوشت سوانح عمری "آغا سے آغا ناصر تک" میں سوالیہ انداز کی مدد سے قاری کے لیے دلکشی اور شیرینی پیدا کی ہے۔ آغا ناصر نے ایک فلسفی کی طرح سوالیہ انداز کے ذریعے حال میں مستقبل ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ سوالیہ انداز کی ایک جھلک آغا ناصر کی سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" سے ملاحظہ ہو:

"مگر کراچی کیسا شہر ہے؟ وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟ وہاں جا کر انھیں کہاں ٹھہرنا ہو گا؟"۔ (۱۹)

آغا ناصر نے سوالیہ انداز اپنا کر قاری کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ بھی اپنی زندگی کو غور فکر سے عبارت رکھے تاکہ زندگی میں کسی موقع پر ناکام نہ ہو۔ سوالیہ انداز سے فن کے ساتھ ساتھ آغا ناصر کی فکر بھی عیاں ہوتی ہے۔

تکرارِ لفظی:

کسی بھی تحریر کے اندر واقعات اور الفاظ کا تکرار آجائے تو قاری اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ خصوصاً نثر کے اندر الفاظ کی تکرار عبارت کے حسن کو مجروح کرتی ہے۔ بعض اوقات مصنف اپنی جادو بیانی سے اپنی تحریر میں تکرارِ لفظی کا استعمال کر کے اس عبارت کے حسن میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی کچھ اس طرح کی الفاظ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اپنی تحریر کو باوقار بنا دیا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کی نثر میں لفظ 'اور' کو تکرار دے کر کے قاری کے لیے دلچسپی، تجسس اور تحیر انگیزی کا سامان مہیا کیا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی تحریر کے اندر اس لفظ 'اور' کو نئے معنی و مفاہیم کے ساتھ برتا ہے۔ حقیقت میں الفاظ ایک جامد و ساکن چیز ہیں لیکن اس بات کا قاری پر انحصار ہے کہ وہ کسی بھی لفظ کو متحرک کرنے کے لیے کون سا انداز اختیار کرتا ہے۔ آغا ناصر نے لفظ 'اور' کو اپنی تحریر کے اندر تکرار دے نہ صرف اس تصنیف کی عبارت میں خوبصورتی پیدا کی ہے بلکہ اسی لفظ 'اور' کے ذریعے ایک تہذیب کو زندہ کر دیا ہے۔ اسی تناظر میں "آغا سے آغا ناصر تک" میں سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"لگتا ہے وہ کوئی اور معاشرہ تھا کوئی اور کلچر تھا کوئی اور شہر تھا"۔ (۲۰)

تکرار لفظی اسلوب کا ایک خوبصورت رویہ ہے۔ تکرار لفظی سے کسی بھی فن پارے کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ تکرار لفظی سے عبارت دلکش اور دلآویز لگتی ہے۔ آغا ناصر نے بھی تکرار لفظی کو اپنی نثر میں ایک نمایاں مقام دیا ہے۔ تکرار لفظی سے موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے نثر کے اندر میں الفاظ کی تکرار سے موسیقیت اور ترنم پیدا کیا ہے۔ آغا ناصر نے تکرار لفظی سے "آغا سے آغا ناصر تک" کی عبارت کو آراستہ کیا ہے۔ جب آغا ناصر کا خاندان ہجرت کر کے ہندوستان سے پاکستان آرہا تھا تو اس وقت کے حالات و واقعات کے بیان میں بھی آغا ناصر نے تکرارِ لفظی کا انداز اختیار کیا ہے۔ تکرارِ لفظی کے حوالے سے آغا ناصر کا درج ذیل اقتباس دیکھیے:

"وہ آہستہ آہستہ دعائیں پڑھ رہی تھیں۔ اماں جی کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور ان کی انگلیاں تیز تیز چل رہی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے یہ پریشانی کا وقت ختم ہوا اور ہمارے قافلے کے مرد ٹکٹ خرید کر لے آئے"۔ (۲۱)

آغا ناصر نے تکرار لفظی سے اپنی نثر کو خوبصورت بنا کر قاری کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کیا ہے۔ تکرارِ لفظی تحریر کا حسن بھی ہے اور مصنف کی لفظی جادو بیانی بھی۔

ناسٹلجیا:

انسان اپنے ماضی کو تصویری اور تحریری دونوں صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں اپنی زندگی میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ ماضی کی یادوں میں جب انسان جھانکتا ہے تو اسے اپنے نشیب و فراز کی ساری کہانی یاد آجاتی ہے۔ نہ

صرف یادیں انسان کی زندگی کا حصہ ہیں بلکہ انسان گزرے ہوئے حالات وواقعات سے سبق بھی حاصل کرتا ہے۔ یادیں انسان سے دنیا کی کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات ماضی کے اچھے گزرے ہوئے دن کی یاد انسان کو کسی اچھے کام پر اکساتی ہے یا پھر کسی جذبے کی تسکین بھی کرتی ہے۔ آغا ناصر کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں آپ نے یادوں کا سہارا لے کر اپنے ماضی کو دہرا دیا ہے۔ ان کے اسلوب میں ماضی کی یاد ایک اہم نقطہ ہے۔ آغا نے اپنی آپ بیتی میں ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے بچپن کے رنگین دنوں کی ایک دنیا بسا رکھی ہے۔ آپ اپنی زندگی میں اچھی یادوں کو ایک امید سے وابستہ کرتے ہیں۔ آغا ناصر کو اپنے بچپن کے بیتے ہوئے اچھے دنوں کی یاد ستاتی ہے۔ آپ نے اپنی مذکورہ کتاب میں جو ان کی فرید نگر سے وابستہ یادیں تھیں ان کی بھرپور تفصیل پیش کی ہے۔ آپ کی نثر میں ماضی کی یادوں کے پردے میں فکر کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ آغا ناصر نے تاریخی حقائق اور ماضی کو ایک خاص پیرائیہ میں بیان کیا ہے۔ آغا ناصر نے اپنے گزرے ہوئے زمانے کو جزئیات نگاری کے ساتھ ایک یاد کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنی کتاب "آغاسے آغاناصر تک" میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان کے ساتھ میری جو بھی یادیں ہیں وہ فرید نگر سے وابستہ ہیں۔ میں نے اس لیے اپنی عمر کہانی کا آغاز اسی بستی کے ذکر سے کیا ہے"۔ (۲۲)

آغا ناصر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دس سال فرید نگر (ہندوستان) میں گزارے۔ فرید نگر انتہائی خوبصورت بستی تھی۔ آغا ناصر کو اپنی اس بستی سے بہت انس تھا۔ پاکستان آنے کے بعد آپ کو بیس سال بعد دوبارہ فرید نگر میں جانے کا موقع ملا۔ لیکن اس بیس سال پر محیط طویل عرصے کے دوران آپ کو اپنے گاؤں فرید نگر کی حسین ورنگین یادوں نے بہت تڑپایا۔ آپ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات فرید نگر کی ان یادوں کا تذکرہ کھل کر کیا ہے۔ ان حسین یادوں کے بیان کی وجہ سے آغا ناصر کی سوانح حیات میں یاد ایک اہم موضوع بن کر قاری کے سامنے اُبھر آیا ہے۔

سوزوگداز:

سوزوگداز کسی بھی تحریر کے اندر اثر وتاثیر پیدا کرتا ہے۔ قاری عبارت پڑھتے وقت جب سوزوگداز کی کیفیت سے گزرتا ہے تو وہ اس تحریر کے اندر کھو جاتا ہے۔ سوزوگداز ہی دراصل کسی مصنف کے اسلوب میں جان پیدا کرتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں مختلف واقعات کے بیان میں سوزوگداز کی کیفیت پیدا کی ہے۔ چونکہ یہ آغا ناصر کی آپ بیتی ہے اس لیے گزرے ہوئے حالات وواقعات اور بچپن کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے سوزوگداز کا پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا۔ آغا ناصر نے تحریر کے حسن کو دوبالا

کرنے کے لیے سوزو گداز سے کام لیا ہے۔ سوزو گداز سے آغا ناصر کی اس تصنیف 'آغا سے آغا ناصر تک' میں دلچسپی کا عنصر پیدا ہوا ہے۔ آغا ناصر کی نثر میں جو سوزو گداز پایا جاتا ہے اس کی مثال ملاحظہ ہو:

"میں افسردہ تھا اور فرید نگر چھوڑنے کا مجھے بہت غم تھا۔ ہمارا سکول کا گھر پہلے ہی چھوٹ چکا تھا خدا جانے یہ کونسی کشش ہوتی ہے کہ انسان زمین کی مٹی سے اور درختوں سے جھاڑیوں اور کھیتوں کھلیانوں سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ انھیں چھوڑنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے"۔ (۲۳)

وطن سے محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ انسان جہاں رہتا ہے وہاں کی ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ آغا ناصر کو بھی اپنی اپنے گاوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ بھی دیگر لوگوں کی طرح تقسیم کے وقت اپنا گاؤں چھوڑنے کے لیے بہت افسردہ تھے۔ آپ کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں جو سوزو گداز پایا جاتا ہے اس میں آپ کی نہ صرف ہجرت بلکہ دیگر ملکی مسائل میں تخریب کاری کی وجہ سے بھی آپ کا دِل کڑھتا اور افسردہ ہوتا ہے۔

تاریخی پہلو:

آغا ناصر کی آپ بیتی پڑھنا گویا تاریخ کے مختلف اوراق سے آگاہی حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ آغا ناصر نے اپنی سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں جو سیاسی حالات وواقعات پیش کیے ہیں آج وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ آغا ناصر اور اس کے خاندان نے جو ہجرت کی وہ تمام حالات وواقعات تاریخ کی ذیل میں آتے ہیں۔ آغا ناصر نے اپنی اس تصنیف کے اسلوب میں اپنے ذاتی و خاندانی حالات کو تاریخ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے اسلوب میں ذاتی حالات کے ساتھ ساتھ تاریخی حالات و واقعات اور ان پر تنقید کی جابجا مثالیں ملتی ہیں۔ گزرے ہوئے اوقات میں ہونے والے اہم واقعات کو تاریخ اپنا موضوع بناتی ہے۔ بعض واقعات مختلف سانحات پر مشتمل ہوتے ہیں بعض رنگینیوں اور رعنائی کا دلکش امتزاج پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ آغا ناصر نے اپنے اسلوب میں تاریخی پہلو کو کچھ اس طرح جگہ دی کہ ذاتی حالات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے اس دور کے تاریخی حالات کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ آپ نے اپنی نثر میں تاریخی واقعات کو نمایاں جگہ دی ہے۔ آپ کی خودنوشت سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں آغا ناصر نے ملکی تاریخ ایسے رقم کی ہے جیسے تاریخ نگاری کے حوالے سے آپ محقق کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آغا ناصر ملکی حالات وواقعات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے ذاتی حالات کے ساتھ اہم تاریخی واقعات کو بھی رقم کیا ہے۔ سیاسی حالات وواقعات کو بیان کرنے سے آغا ناصر کی نثر کا انداز تاریخی نوعیت کا بن گیا ہے۔ آغا ناصر نے تاریخی حوالے سے پاکستان ہندوستان کی تقسیم سے لے کر معروف سیاسی رہنماؤں قائداعظم، خواجہ نظم الدین، لیاقت علی خان، حسین شہید

سہروردی، اسکندر مرزا، ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، ذوالقار علی بھٹو، ضیاالحق، محمد خان جونیجو، بے نظیر بھٹو اور نواز شریف تک جتنی بھی حکومتیں برسرِ اقتدار آئی ہیں اور ان کے دور حکومت میں جو بھی کارنامے سرانجام دیئے گئے ہیں ان کارناموں کا احوال "آغا سے آغا ناصر تک" کو پڑھنے کے بعد قاری جان سکتا ہے۔ اسی تناظر میں آغا ناصر کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہماری تیسری اولاد راولپنڈی کے ہولی فیملی ہسپتال میں پیدا ہوئی۔ یہ پاکستان کے پہلے جنرل الیکشن کا سال تھا"۔ (۲۴)

ملکی سیاسی و تاریخی پسِ منظر کے حوالے سے طاہرہ اقبال اپنی تصنیف "پاکستانی اردو افسانہ سیاسی و تاریخی تناظر میں" میں لکھتی ہیں:

"پاکستان اپنی عمر کے چونسٹھ پینسٹھ برسوں میں تاریخی و سیاسی لحاظ سے ایسے نشیب و فراز سے گزرا ہے کہ اس ملک کے باشندے ظاہری و باطنی، خارجی و داخلی سطح پر ان حالات و واقعات کے تموجات سے بار بار متاثر ہوئے ہیں۔ اپنی نوعیت کی یہ تاریخی صداقت ہے کہ یہ ملک اپنی مختصر سی تاریخ میں بڑے بڑے واقعات، سنگین مسائل اور ناگہانی حادثات کے مدوجزر سے نبرد آمار ہا ہے"۔ (۲۵)

آغا ناصر نے اپنے ذاتی حالات کے ساتھ مختلف اہم تاریخی واقعات سے بھی صرف نظر نہیں کیا۔ قاری کو آپ کی سوانح حیات پڑھتے وقت نہ صرف آپ کی ذاتی زندگی بلکہ تاریخ کے اہم پہلو سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی یہ تصنیف آپ بیتی ہونے کے ساتھ تاریخی حوالے بھی ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

مکالماتی اندازِ تحریر:

بات میں زور پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات ادیب اپنی تحریر میں مکالماتی انداز اپناتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شامل کر کے گفتگو کرے تو وہ مکالماتی انداز کے زمرے میں آتا ہے۔ مکالماتی انداز ایک طریقہ سے بے نام کرداروں کے ذریعے کہانی میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بھی اپنایا جاتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی اپنی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں مکالماتی انداز اپنایا ہے۔ آغا ناصر کے مکالماتی انداز کا حسن اس تصنیف میں دیدنی ہے۔ مکالماتی انداز میں آغا نے زیادہ کردار استعمال نہیں کیے۔ جہاں بھی مکالماتی انداز اختیار کیا ہے وہی پر کرداروں کی بھرمار نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ ایک ہی کردار کے ساتھ گفتگو جاری رکھی ہے۔ کرداروں کی بھرمار مکالماتی انداز میں تحریر کے حسن کو مجروح کرتی ہے۔ آغا ناصر نے "آغا سے آغا ناصر تک" کے شروع کے صفحات ہی سے مکالماتی انداز اسلوب اختیار کیا ہے۔ جس سے آپ کی تحریر کے اسلوب میں

رنگارنگی پیدا ہوئی ہے۔ مکالماتی اسلوبِ نگارش کا ایک اقتباس "آغا سے آغا ناصر تک" میں سے ملاحظہ ہو:

"اُس نے کہا: تم اپنی عمر کہانی کیوں نہیں لکھتے؟
میں نے کہا کیوں لکھوں؟
سوانح حیات لکھنا کوئی بری بات تو نہیں۔
میں نے یہ کب کہا مگر لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔
سب لکھتے ہیں۔
میں ان سب میں کس لیے شامل ہو جاؤں۔
اس لیے کہ ہر بڑا آدمی ایسا کرتا ہے"۔ (۲۶)

آغا ناصر نے اپنی نثر میں مکالماتی انداز لا کر اپنے اسلوب کو دوام بخشا ہے۔ مصنف بعض اوقات قاری کو اپنی نثری تحریروں سے لطف اندوز کرنے کے لیے مکالماتی انداز سے اس کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔ آغا ناصر نے بھی "آغا سے آغا ناصر تک" میں مکالماتی انداز اپنا کر قارئین کے لیے اپنی نثر کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔

شعری اسلوب:

جب لکھاری اپنی بات کو طول دینے کی بجائے مختصر کر کے قاری کے سامنے پیش کرتا ہے تو بعض اوقات وہ مختلف شعراء کے یا پھر اپنے اشعار کے ذریعے بات کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کبھی نثار کسی خاص شاعر کی شعری اہمیت کو تسلیم کرنے کے لیے بھی اشعار کا سہارا لیتا ہے یا پھر کبھی کسی شاعر کا تعارف کروانے کے لیے اس کے کسی زبان زدِ عام شعر کو اپنی نثر میں شامل کر دیتا ہے۔ اگر کوئی لکھاری شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نثر نگار بھی ہے تو وہ اپنی نثر لکھتے وقت اشعار کو پروتا ہے تاکہ اس کی تحریر کی لذت و چاشنی میں اضافہ ہونے کے ساتھ بات زیادہ واضح انداز میں قاری کے سامنے آجائے۔ آغا ناصر نے بھی اپنی خود نوشت سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں شعری اسلوب کو اپنایا ہے۔ آپ نے اپنی باتوں کی وضاحت کے لیے شعری اسلوب اپنایا ہے حالانکہ آغا ناصر خود شاعر نہیں تھے لیکن ان کا شعری انداز دیکھ کر قاری کو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کس قدر شاعری سے شغف رکھتے تھے۔ آپ نے تو اپنی مذکورہ کتاب کا آغاز بھی اپنے بھائی شمیم جاوید کی ہائیکو سے کیا ہے۔ آپ نے اپنے شعری اسلوب میں مختلف مشہور شعراء کے شعر شامل کیے ہیں جس سے قاری کے سامنے آپ کی بات کرنے کی

وضاحت بھی ہوگئی اس کے ساتھ ساتھ "آغا سے آغا ناصر تک" کے کشش میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آغاناصر نے اپنی سوانح حیات میں شعری اسلوب اپنایا ہے، اس کی جھلک دیکھیے:

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا میرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا[۲۷]

ایک اور جگہ دیکھیے:

فیض نہ ہم یوسف نہ کوئی یعقوب جو ہم کو یاد کرے
اپنا کیا، کنعاں میں رہے یا مصر میں جا آباد ہوئے[۲۸]

آغاناصر نے مختلف شاعروں کے اشعار کا سہارا لے کر اپنی اس تصنیف کو خوبصورت بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے مدعا کو بھی بااحسن طریقے سے قاری تک پہنچادیا ہے۔ آپ کے شعری ذوق سے پتہ چلتا ہے آپ نثر کے ساتھ ساتھ شعر وشاعری کے بھی بہت دل دادہ تھے۔

جزئیات نگاری:

آغاناصر کی اس تصنیف 'آغا سے آغاناصر تک میں جزئیات نگاری پائی جاتی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے تمام حالات وواقعات کے بیان میں جزئیات نگاری کو اپنایا ہے۔ آپ نے اپنی مذکورہ کتاب کی فہرست سے لے کر آخری صفحات تک جزئیات نگاری سے کام لیا ہے۔ آغاناصر نے اپنی ذاتی زندگی کے علاوہ ملکی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اندرونی وبیرونی معاملات وواقعات کے بیان میں بھی جزئیات نگاری سے کام لیا ہے۔ آپ نے جزئیات نگاری کو مد نظر رکھ کر اس ملک اور اس ملک کے سیاسی رہنماؤں کی تاریخ رقم کردی ہے۔ جزئیات نگاری کے حوالے سے آغا ناصر کی تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں درج ذیل اقتباس دیکھیے:

"ہوسٹل میں رہائشی کمرے بھی اسی تناسب سے بنائے گئے تھے۔ تین کمرے ہندو کے لیے۔ دو کمرے مسلمانوں کے لیے اور ایک اچھوت کے لیے۔ کھانا پکانے کا انتظام بھی علیحدہ علیحدہ تھا"۔ [۲۹]

آغاناصر جزئیات نگاری کے ذریعے اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ یقینی اور قطعی بناتے ہیں۔ تفصیلی بیان بالعموم تحریر اور واقعہ کو بے مزہ کردیتے ہیں۔ لیکن آغاناصر نے جزئیات نگاری اس طرح کی ہے کہ آپ کی نثر بے مزہ ہونے کی بجائے لطف دیتی ہے اور واقعہ کی پوری تصویر قاری کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ آپ کے والد علی

احمد خان جب بستر مرگ پر تھے تو اس حوالے سے آغا ناصر کے جو تاثرات کے تھے۔ ان تاثرات کے بیان میں درج ذیل اقتباس جزئیات نگاری کا بہترین نمونہ ہے:

"ان کی یہ حالت دیکھ کر میں خون کے آنسو رو پڑا۔ ایک اچھا باپ، عظیم استاد، محبت کرنے والا درویش انسان شاید ہم سے جدا ہونے والا تھا۔ میں ان کو دیکھتا اور پریشان ہوتا رہتا۔ ان کے لیے دُعا کے سوا اب کچھ کیا نہیں جا سکتا تھا۔ ایسا باپ جس نے بڑی شفقت اور لگن سے مجھے پڑھایا۔ مجھے یاد تھا میٹرک کے امتحان کے زمانے میں وہ کس طرح رات کے پچھلے پہر تک مجھے پڑھاتے تھے۔ ان دنوں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اباجی کتنے قابل استاد ہیں۔ ان کے پاس علم اور معلومات کا خزانہ ہے"۔ (۳۰)

اگر شخصی جزئیات نگاری کی جا رہی ہو تو ہم اسے حلیہ نگاری یا خاکہ نگاری بھی کہے سکتے ہیں۔ کسی کی تصویر لفظوں میں ادا کر دینا، اردو ادب میں اس کو خاکہ نگاری یا حلیہ نگاری کہتے ہیں۔ آغا ناصر نے اپنی نثر میں اسلوب کے مختلف اور منفرد رویئے استعمال کیے ہیں جن میں حلیہ نگاری کو مد نظر رکھ ہوئے شخصی خاکہ نگاری کی ہے ۔ افتادہ طبع کے حوالے سے آغا ناصر کے اسلوب میں شخصی جزئیات نگاری جیسی اسلوبیاتی صفت نے آپ کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کو بہت خوبصورت بنایا ہے۔ آپ کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات شامل تھی کہ آپ جس شخص کی جزئیات نگاری کرتے تھے اس کی ہو بہو تصویر لفظوں میں کھینچ دیتے ہیں۔ آپ کی نثر میں اسلوب کا یہ رویہ شاید لاشعوری طور پر آپ کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کا حصہ بنا ہے ۔ آغا ناصر کے اسلوب میں شخصی جزئیات نگاری جیسی صفت بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آغا ناصر جب کسی کا ذکر چھڑتے ہیں تو ہو بہو لفظوں میں اس کا نقشہ بھی کھینچ دیتے ہیں اور قاری کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ شخص قاری کے سامنے ہے جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں مختلف شخصیات کے تذکروں کے ساتھ ساتھ ان کی شخصی جزئیات نگاری بھی جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ خصوصاً جب آغا ناصر اپنے نانا کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی جزئیات نگاری اپنی خود نوشت سوانح حیات "آغا سے آغاناصر تک" میں الفاظ میں کرتے ہیں:

"وہ بڑی پر کشش شخصیت کے مالک تھے۔ لمبا قد مضبوط کرتی بدن راجوں مہاراجوں جیسی داڑھی، کھڑے خدوخال، نانا سال میں ایک بار ہمارے ہاں آتے تھے۔ چوڑی دار پاجامہ، سفید شیروانی سر پر بڑا سا صافہ، پاؤں میں گرگابی، سینہ تان کر اس طرح چلتے تھے جیسے کسی ریاست کے نواب ہوں"۔ (۳۱)

آپ نے مختلف شخصیات کی جزئیات نگاری کرے ہوئے کمال انداز اپنایا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی کتاب "آغا سے آغا ناصر تک" میں جو جزئیات نگاری پیش کی ہے وہ فرضی یا خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ آپ نے تفصیل

سے اور چھوٹی سے چھوٹی بات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان واقعات کی تفصیل قاری کے لیے بوجھ نہیں بنتی بلکہ واقعات کی تصویر مزید قاری کے سامنے روشن اور واضح ہو جاتی ہے۔ جس کو قاری پڑھ کر تسکین محسوس کرتا ہے۔

مختصر جملے:

آغا ناصر نے اپنی اس کتاب "آغا سے آغا ناصر تک" کی عبارت میں مختصر جملے لکھے ہیں۔ "آغا سے آغا ناصر تک" میں مختصر جملے گہرے مفہوم کے حامل ہیں۔ ان جملوں کے اندر گہری معنویت پائی جاتی ہے۔ آپ لفظوں کے ظاہری حسن کے ساتھ ان کے اندر چھپے معنی کو اولین حیثیت دیتے ہیں۔ مختصر جملوں کی جدت طرازی آغا ناصر کے اسلوب کی پہچان ہے۔ آغا نے آپ بیتی کے اندر مواد کو انتہائی خوبصورت انداز میں ڈھالا ہے۔ آپ نے ضرورت کے مطابق جملوں کو استعمال میں لایا ہے۔ جہاں کہیں آغا ناصر اپنے حالات واقعات اپنی سوانح کے اندر لکھتے ہوئے غرق ہو جاتے ہیں وہیں پر ان کے جملوں کی بناوٹ جدت کے ساتھ قاری کے سامنے آتی ہے۔ اسلوبیاتی پہلو کو اگر مد نظر رکھ کر دیکھ جائے تو ہر ایک ادیب ظاہری و باطنی حوالے سے دوسرے ادیب سے منفرد اور جدا ہوتا ہے بعض مختصر جملے استعمال کرتے ہیں اور چند ایک طویل جملے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن آغا ناصر نے مختصر جملوں کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے اپنے اسلوب کے اندر ان کو جگہ دی ہے۔ آغا ناصر کے جملوں میں فصاحت و بلاغت جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ آپ نے کم سے کم الفاظ میں وسیع سے وسیع تر مفہوم کو ادا کیا ہے ۔ آپ محض جملے بازی ہی میں مہارت نہیں رکھتے بلکہ ان جملوں کے اندر پائے جانے والی خصوصیات اور فنی لوازمات سے بھی آگاہ ہیں۔ آپ نے مروجہ ادیبوں کی پیروی کرنے کی بجائے جملہ سازی میں ایک نئی راہ تراشی ہے۔ جس کی مثال اس اقتباس کی صورت میں پیش کی جاتی ہے:

> "جاپان کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ یہ ملک چھ ہزار آٹھ سو جزیروں پر مشتمل ہے۔ جو بحرالکاہل میں واقع ہے۔ جہاں کے پہاڑوں کا شمار انتہائی خوبصورت مقامات میں ہوتا ہے۔ ملک کا سب سے زیادہ مشہور پہاڑ فیوجی ہے۔ جسے فیوجی یامہ بھی کہا جاسکتا ہے"۔ (۳۲)

المختصر یہ کہ آغا ناصر کی نثر میں فکر کی گہرائی اور خیال کی رعنائی پائی جاتی ہے۔ آپ کے اسلوب میں زبان و بیان کے تکنیکی پیرائے خوبصورت انداز میں قاری سامنے آتے ہیں۔ "آغا سے آغا ناصر تک" اپنے متنوع موضوعات اور خوبصورت اسلوب کے سبب ادبی حلقوں میں ایک معروف ہونے والی اور ایک منفرد مقام کی حامل آپ بیتی ہے۔ جہاں پر آپ نے اس تصنیف میں اپنی زندگی کے حالات کو ادبی پیرائے میں بیان کیا ہے وہیں اسلوب کی مختلف جہتیں بھی پیش کی ہیں۔

سادگی:

سادگی سے مراد ایسی تحریر جس میں روانی پائی جائے اور قاری بلا جھجک اس تحریر کو پڑھتا جائے۔ لکھاری کا قاری تک اپنا مطلب پہچانے کا ایسا واضح انداز جس کی مزید قاری کو توضیح و تشریح نہ کرنا پڑھے وہ تحریر سادگی کے زمرے میں آتی ہے۔ ایسی تحریر جس کو قاری پڑھتے ہوئے کہیں بھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہو اور اسے بے تکلفی سے پڑھتا جائے تو تحریر سادہ تحریر کہلائے گی۔ سادہ اسلوب سے مراد بات لکھنے کا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے بات کو مزید سادہ نہ کیا جا سکے۔

جو بات سادگی کے ساتھ تحریر کی جائے اس کے اندر حسن پایا جاتا ہے اور وہ تحریر اثر بھی زیادہ رکھتی ہے۔ وہ فن پارے جو مغلق اور پیچیدہ ہوتے ہیں وہ قاری کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز نہیں کر سکتے جس سے مصنف کا تحریر لکھنے کا مقصد ضائع ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تخلیق کار اپنی تخلیق کے اندر قاری کی توجہ کو کسی خاص نقطہ کی طرف مرکوز کرنا چاہتا ہے لیکن قاری اس تحریر کو تخلیق کار کی نقطہ نظر سے نہیں سمجھ پاتا۔ تو اس طرح قاری اس فن کار کے فن کا خون کر دیتا ہے۔ قاری کی قرات سے بالاتر تحریر سادگی کی ذیل میں شمار نہیں ہوتی۔ ہر ادیب یا لکھاری کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسا اچھوتا انداز اپنائے جس انداز کو سب قارئین پسند کریں۔ سادگی تحریر کے اندر وہ واحد اسلوبیاتی صفت ہے جس سے ہر عام و خاص قاری استفادہ کر کے اپنے مطلب کی چیز حاصل کر لیتا ہے۔

ادب میں نثر کے اندر سادگی اختیار کرنے کا آغاز مرزا غالب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ غالب کی سادہ نثر اختیار کرنے کے بعد پھر سادگی اختیار کرنے کی ادب کے اندر ایک روایت بن گئی ہے۔ کسی بھی ادب پارے میں اسلوب کے حوالے سے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے وہ سادگی ہے۔ آغا ناصر نے اپنی سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں بہت سادہ اسلوب اختیار کیا ہے جس سے ہر قاری استفادہ کر سکتا ہے۔ آغا ناصر کی اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں سادگی کے ساتھ ساتھ ادبیت کی نشانی بھی موجود ہے۔ آغا ناصر کے اسلوب کی تمام صفات سے اگر قطع نظر دیکھا جائے تو آغا ناصر کے اندازِ بیان میں ان کی سادگی اور سلاست ہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ سادگی آغا ناصر کے اسلوب کی نمایاں خوبی ہے۔ آغا ناصر کے اسلوب کی صفات میں اعتدال و توازن پایا جاتا ہے آپ نے سادگی سے اپنی عبارت کو دلکش اور خوبصورت بنا دیا ہے۔ آپ مغلق اور پیچیدہ خیالات و واقعات کو بھی شیریں لہجے میں بیان کرتے ہیں۔ آغا ناصر بات کو سادگی کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور یہی سادگی آپ کے اسلوب کی انفرادیت کو ظاہر کرتی ہے۔ آغا ناصر کے اسلوب کو سادگی کی وجہ سے اردو نثر کا معیاری اسلوب بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ آغا ناصر نے اپنی نثر میں سادگی کے پردے میں

حسن اور خوبصورتی پیدا کی ہے۔ آغا ناصر کا اندازِ تحریر نہایت سادہ و سلیس اور رواں ہے۔ آپ شفاف ذہن سے لکھتے ہیں اس لیے آپ کی اس تصنیف میں کوئی الجھاؤ نہیں پایا جاتا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آغا ناصر کا یہ سادہ اسلوب ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ قارئین آغا ناصر کے اسلوب کی سادگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کی پڑھائی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ نثر میں سادگی اختیار کرنے سے ہر قاری ادب پارے سے مستفید ہو سکتا ہے جس سے ادیب کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ آغا ناصر نے اپنے احساسات، جذبات و خیالات اور تاثرات کو دوسروں تک پہنچانے کا سادہ اور طریقہ اپنایا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں جو سادگی اختیار کی ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> "یہ ایک خاندان تھا ہر شخص ایک دوسرے کا نام جانتا تھا۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ اس کا عہدہ کیا ہے یا اس کے فرائض کیا ہیں۔ ایسی لگن اور ایسا جنون تھا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ مثلاً نشریات کے دوران سیٹ کی تبدیلی ایسا کام تھا جس میں سب شریک ہوتے تھے"۔ (۳۳)

اسلوب کی سادگی کے تناظر میں اگر آغا ناصر کی اس سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ نہ صرف اردو آپ بیتی بلکہ اردو نثر کے ارتقاء میں ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اسلوب سادہ بنانے کے لیے آغا ناصر نے خلوص، صداقت اور شگفتگی کو اپنایا ہے۔ لفظوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ جب خیالات بھی سادہ ہو تو نثر کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور یہ تمام خصوصیات ہمیں آغا ناصر کی خود نوشت سوانح عمری "آغا سے آغا ناصر تک" میں نظر آتی ہیں۔ آپ نے ایسا سادہ اور دلکش اسلوب استعمال کیا ہے جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سادگی کی وجہ سے آپ کی اس تصنیف کو پڑھنے کے بعد قاری آپ بیتی کے اندر پائے جانے والے آغا ناصر کے حالات و واقعات اور احساسات و جذبات سے خوب آگہی حاصل کر لیتا ہے۔

آغا ناصر کی تحریر کی سادگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا کوئی بھی اقتباس اٹھا کر دیکھ لیں ہر عبارت کی شگفتگی اور روانی صاف و شفاف نظر آتی ہے۔ آغا ناصر نے مقفیٰ و مسجع نثر سے قطع نظر کرتے ہوئے نثر میں سادگی، سلاست اور روانی کو اہمیت دی ہے۔ "آغا سے آغا ناصر تک" میں پائی جانے والی سادگی اور بے تکلفی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ آپ بہت بڑے ادب شناس تھے۔ آپ نے واقعات کو سادگی سے اور ان کو صداقت و واقعیت کے ساتھ ہی پیش کیا ہے۔ آپ نے اپنے اسلوب کو مبالغہ آرائی اور تکلف و تصنع کے ساتھ پیش نہیں کیا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی نثر کو مبالغہ آرائی اور تکلف و تصنع سے پاک رکھا ہے۔ بیان کی صفائی، اسلوب کی رعنائی اور خیالی خوبصورتی ہی نے اس تصنیف کو اردو ادب کی دیگر کتب کے مدمقابل لا کھڑا کیا ہے۔ آغا ناصر کی

تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" سادگی کا ایک مرقع ہے۔ عبدالمجید قریشی "الزبیر" کے آپ بیتی نمبر میں خودنوشت سوانح حیات کے آپ بیتی نمبر میں سوانح حیات کے اسلوب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"زبان وبیان کے لحاظ سے یہ ضروری نہیں کہ واقعات نگاری میں ادب وانشاء کے جوہر بھی دکھائے جائیں۔ آپ بیتی جتنی سادہ اور سلیس انداز میں لکھی جائے گی اثر اتنا ہی زیادہ بہتر ہو گا"۔ (۳۴)

آغا ناصر کی اس تصنیف 'آغا سے آغا ناصر تک' کے اسلوب میں جو روانی، شگفتگی اور برجستگی پائی جاتی ہے وہ ہمیں آپ کے دیگر معاصر ادیبوں میں سے کسی بھی ادیب کی نثر میں نظر نہیں آتی۔ آپ نے اپنی نثر میں دقیق اور ثقیل الفاظ استعمال نہیں کیے جو قاری کے علم کا امتحان لیتے ہوں۔ آغا ناصر نے اپنی نثر کو پیچیدہ اور گنجلک نہیں ہونے دیا۔ آپ نے اپنی خودنوشت کو ایک عام قاری کے لیے بھی قابل قبول بنا دیا ہے۔ سادگی اختیار کرنے کے باوصف آپ کی یہ سوانح عمری "آغاسے آغاناصر تک" ادبی معیار کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے۔ آپ کی مذکورہ خودنوشت سوانح حیات میں الفاظ کی سادگی کے باوصف بات کا مطلب بالکل واضح ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں سید عابد علی عابد اپنی شہرہ آفاق کتاب "اسلوب" میں رقمطراز ہیں:

"بات یہ ہے کہ جہاں بنیادی محرک یا فکر کا پہلو جو بنائے ادب بنتا ہے سادہ ہے اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پیدا ہوتی (جسے سلاست اور صفائی بھی کہا جا سکتا ہے) ہے۔ یہاں الفاظ بھی معانی کے لوازم کے مطابق پہلو در پہلو سادہ ہوتے ہیں اور مطلب بالکل واضح ہوتا ہے"۔ (۳۵)

آغا ناصر کی آپ بیتی میں اسلوب کی سادگی نہ صرف سادہ خیالات کی وجہ سے پیدا ہوئی بلکہ آپ نے اپنی نثر کے اندر متن میں بھی سادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ الفاظ کی سادگی کی وجہ سے متن خوبصورت اور رواں بن گیا ہے۔ متن کے اندر سادگی کسی بھی ادیب کی نثر کی روانی، شگفتگی اور سلاست کو ظاہر کرتی ہے۔ خالد محمد خان اپنی کتاب "فکشن کا اسلوب" میں اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

"سادہ الفاظ سے مراد متن میں شامل آسان ترین الفاظ ہیں یا ایسے الفاظ جو مشکل نہ ہوں۔ یہ الفاظ متن کی مجموعی اہمیت میں معنویت کے اضافے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں"۔ (۳۶)

المختصر یہ کہ آغا ناصر کی آپ بیتی اسلوب کی سادگی کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اسلوب کی سادگی، شگفتگی،، انوکھا پن، روانی، برجستگی اور سلاست جیسی خصوصیات نے آغا ناصر کی اس خودنوشت سوانح عمری کو فن کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ جس سے آغا ناصر اردو ادب میں ایک مہان اور منفرد لب ولہجہ کے ادیب کے

طور پر ابھر کر قاری کے سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں جہاں سادگی کے عنصر کا خیال رکھا ہے وہیں اس کی روانی اور برجستگی کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔

اختصار:

اختصار سے مراد بات کو مختصر کر کے لکھنا ہے۔ اختصار دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ اختصار میں کم سے کم لفظوں میں وسیع تر مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔ اختصار کو ہم فصاحت وبلاغت کے مترادف بھی سمجھ سکتے ہیں۔ بات کا مختصر مگر جامع ہونا اسلوب کے اہم اوصاف میں شامل ہے۔ آغا ناصر اپنی خودنوشت سوانح عمری "آغاسے آغا ناصر" میں اختصار، جامعیت اور کفایت لفظی میں مدعا بیان کرتے ہیں۔ آپ کم سے کم لفظوں میں سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔ آپ غیر ضروری بات کو اپنی تحریر میں بالکل شامل نہیں کرتے کیونکہ غیر ضروری بات نثر کو بوجھل اور بے مزہ کر دیتی ہے۔ ایک ہی صفحے پر آپ نے کئی چھوٹے چھوٹے واقعات جو مختلف نوعیت کے ہیں اختصار کے ساتھ پُر کر دیتے ہیں۔ اختصار کی وجہ سے آپ نے اپنی آپ بیتی جس میں پیدائش سے لے کر قریب المرگ تک کے حالات قلمبند کیے ہیں وہ صرف اور صرف ۳۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ انسانی زندگی جس کا ہر ایک آنے والا لمحہ اپنے اندر ایک نیا واقعہ رکھتا ہے اس پوری زندگی کو چند ایک صفحات پر اختصار کے ساتھ لکھ دینا مصنف کے صاحبِ اسلوب ہونے کی دلیل ہے۔ آغا ناصر نے کم لفظوں میں اپنی زندگی کے تمام تر واقعات قلم بند کیے ہیں۔ آپ کے ایک ایک لفظ کے پردے میں واقعات کی داستان ہے۔ آپ اختصار کے فن سے لفظوں کو نئے معنی عطا کرتے ہیں۔ آپ نے اختصار نویسی اختیار کر کے اردو نثر کے الفاظ کے معانی ومفاہیم کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ اختصار دراصل اپنے مطلب کی بات کو صحیح انداز میں اور مختصر ترین الفاظ میں بیان کرنے کا نام ہے۔ اختصار کے حوالے سے آغا ناصر کا اقتباس لاحظہ ہو:

> "یہ اس نامکمل فلم کا قصہ ہے جو پی ٹی وی اور پی ایل او کے اشتراک سے بنائی جانی تھی۔ میں اور کنور آفتاب اس سلسلہ میں پی ایل او کے لیڈروں سے بات چیت کرنے دمشق اور بیروت گئے تھے۔ اور طویل انتظار میں مصروف ہو گئے"۔ (۳۷)

اختصار نثر کا حسن بھی ہے اور ادیب کا فن بھی۔ اختصار سے تحریر جامع، خوبصورت اور واضح اثر رکھتی ہے۔ طوالت کسی بھی تحریر کی خامی شمار ہوتی ہے۔ طوالت قاری پر برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ طوالت سے قاری اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور تحریر بھی بوجھل بن جاتی ہے۔ طوالت سے اس تحریر کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ آغا ناصر نے چند ایک جملے طویل ضرور لکھے ہیں مگر عبارت مکمل طور پر طوالت کا شکار نہیں ہوئی بلکہ آپ کے جملے

اختصار کا مرقع ہیں۔ اس کے برعکس طوالت کسی عبارت کا نقص ہے۔ اگر ہم دورِ جدید کے ادیبوں (کشور ناہید، افتخار عارف وغیرہ) کی تحریروں کو مدِ نظر رکھ کر آغا ناصر کے اسلوب کی اس اختصار کی خوبی کو اہمیت دیتے ہیں تو اس کا فیصلہ قاری قرات کے بعد بلا جھجک کر دے گا اور یقیناً اس کا فیصلہ یہی ہو گا کہ آغا ناصر کی اس تصنیف میں اختصار ہی اس کتاب کا سب سے بڑا وصف ہے۔ آغا ناصر نے اختصار کو اپناتے ہوئے کم سے کم لفظوں میں اپنا مدعا بیان کر دیا ہے۔ آغا ناصر نے اپنی اختصار نویسی کے ساتھ ہی اپنی بات کو تمام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر ادیب اپنے مطلب و مفہوم کے مطابق لکھتا ہے۔ مطلب و مفہوم کے بیان کی اہمیت سید عابد علی عابد نے اپنی تصنیف "اسلوب" میں یوں رقم کی ہے:

"ہر شخص اپنے مطلب و مفہوم کے مطابق تقاضا کرتا ہے جو خود اس کے بطون میں پیدا ہوتے ہیں اور خود گویا مضمون کے اندر اس طرح موجود ہوتے ہیں جیسے پتھر میں بت"۔ (۳۸)

آغا ناصر نے ہنر مندی اور سلیقے کے ساتھ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اختصار نویسی کو اپنایا ہے۔ آغا نے دوسرے ادیبوں کی نسبت اپنی خود نوشت سوانح عمری میں الفاظ صفحات، عنوانات اور موضوعات کے حوالے سے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی "شہاب نامہ" کو ہی لیجئے اگر ہم اختصار نویسی کے حوالے سے آغا ناصر کی خود نوشت "آغا سے آغا ناصر تک" اس سے تقابل کریں تو شہاب نامہ ۸۴۰ صفحات پر مشتمل ہے ضخیم آپ بیتی ہے۔ جبکہ آغا ناصر کی کتاب ۳۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ دونوں خود نوشت سوانح عمریوں میں اختصار و جامعیت کی بنا پر یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ "شہاب نامہ" بھی آپ بیتی ہے اور 'آغا سے آغا ناصر تک' بھی آپ بیتی ہے لیکن جو اختصار کا مرقع ہے وہ "آغا سے آغا ناصر تک" ہے۔ آغا ناصر کا اختصار جانِ عبارت اور ایک عام قاری کے لیے اس تصنیف کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ آغا ناصر نے غیر ضروری واقعات کی بھرمار نہیں کی بلکہ آپ نے سادہ اور مختصر الفاظ کے ساتھ اپنی خود نوشت کو مکمل کیا ہے۔ قاری کا وقت ضائع کرنے کے لیے آپ نے ایسے واقعات رقم نہیں کیے جن میں قاری الجھا رہے بلکہ آپ نے اختصار کے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ اختصار نویسی نے آپ کی اس کتاب کی متانت و زینت، خوبی و خوبصورتی اور سلیقے میں اضافہ کر دیا ہے۔ مصنف کی خوش خلقی کے حوالے سے سید عابد علی عابد نے اپنی تصنیف "اسلوب" میں کمال بات لکھی ہے:

"صفت اسلوب بھی مصنف کی خوش خلقی اور اس کی پاسداری کا پتا دیتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ قارئین خواہ مخواہ وہ چیزیں پڑھیں جن کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا ہے۔ یوں ان کا وقت ضائع نہ ہو"۔ (۳۹)

اس حوالے سے ماجد مشتاق رائے اپنی تصنیف "اسلوبِ نگارش" میں رقمطراز ہیں:

"اچھے اسلوب کے لیے الفاظ پر حاکمانہ اقتدار، لکھنے پر قدرت، اظہار میں سہولت، دروبست کی صلاحیت اورانتہائی ملکہ ناگزیر ہے"۔ (۴۰)

آغاناصر کی نثر میں اختصارآپ کی لفظوں پر گرفت کو ظاہر کرتا ہے۔ اختصار کی خوبی قاری کو خواہ مخواہ کی ورق گردانی اوروقت کے ضیاع سے محفوظ رکھتی ہے۔ آغاناصر نے کئی جگہوں پر تراکیب سازی اور ضرب الامثال کی مدد سے اپنی بات کو طول دینے کی بجائے اختصار کے پیرائے میں بیان کرکے اپنے منفرد اسلوب کی نشاندکرواہی ہے۔ آپ نے خودنوشت سوانح حیات "آغا سے آغا ناصر تک" میں اختصار کوملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اختصار کی اس خوبی نے آغاناصر کی نثر کی اہمیت وافادیت بڑھادی ہے۔

قطعیت:

قطعیت اسلوب کی خاص صفات میں شمار ہوتی ہے۔ تحریر کے اندر فکر اور جذبے کے پیچیدہ پہلوؤں کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال جو چاہے پیچیدہ ہوں لیکن وضاحتِ مطلب کے حوالے سے سادگی سے کم نہ ہوں قطعیت کہلاتا ہے۔ آغاناصر نے سادگی اور روانی کے ساتھ ساتھ ایسے مشکل الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو مطلب کو واضح کرتے ہیں۔ قطعیت کی ایک مثال ہمارے سامنے علامہ محمد اقبال کی تصنیف "تشکیلِ جدیدِ الہیاتِ اسلامیہ" ہے جو ان کے خطبات پر مشتمل ہے۔ آغاناصر نے اپنی تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" میں بڑی مہارت اورروانی کے ساتھ قطعیت کی خوبی کو پرویا ہے۔ آپ نے اپنی نثر کو جامع اور مرصع بنانے کے لیے بوجھل اور ثقیل لفاظی کا سہارا لینے کی بجائے سادگی، اختصاراور جامعیت کے پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا ہے۔ آغاناصر نے اپنی تحریر کو بوجھل ہونے سے بچانے کے لیے واقعات کے بیان میں سادگی، قطعیت اوراختصار کی ایسی ایسی نشانیاں چھوڑی ہیں جس سے آپ کے اسلوب میں انفرادیت آگئی ہے جو شاید غیر ارادی طور پر آغاناصر کے سچے اور کھرے جذبوں کی عکاسی ہے۔ انہوں نے اپنی تحریر کو لفاظی کا شکار ہونے نہیں دیا بلکہ دوٹوک اور برمحل بات کی ہے جس سے قاری آپ کی نثر کو پڑھ کر ان کو دادو تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آغاناصر کی تصنیف "آغاسے آغاناصرتک" میں جو قطعیت پائی جاتی ہے اس کو سمجھنے اور پڑھنے کے لیے قاری کا صاحبِ علم ہونا ضروری ہے۔ ہر تحریر اپنے مطلب و مفہوم کے مطابق الفاظ کا تقاضا کرتی ہے۔ آغاناصر کی تصنیف میں بھی جو قطعیت پائی جاتی ہے وہ ایسے ہے جیسے آٹے میں نمک۔ آغاناصر کی تحریر میں قطعیت یہ ظاہر

کرتی ہے کہ انہوں نے مسلسل مشقت وریاضت سے کام لیا ہے۔انہوں نے ایک صاحب اسلوب ادیب کی طرح زندہ اور منفرد لفظوں کو استعمال کیا ہے۔ آپ نے لفظوں میں ایک ربط اور تنظیم پیدا کر کے قطعیت کی صفت کو عیاں کیا ہے۔ آپ نے سادگی اور ایجاز واختصار کے ساتھ ساتھ قطعیت کو بھی اسلوب میں نمایاں جگہ دی ہے۔ درج ذیل اقتباس آغا ناصر کی قطعیت کو ظاہر کرتا ہے:

"جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہم دوستوں کا حلقہ احباب بڑھتا گیا۔ اگلے برسوں میں آنے والے نئے طالب علموں کے لیے ہمارے گروپ میں ایک خاص کشش تھی۔ ہماری دلچسپیاں اور سرگرمیاں زیادہ تر ثقافتی، ادبی اور علمی نوعیت کی تھیں"۔ (۴۱)

اسلوب میں خیال کی عکاسی بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے لیکن اچھا خیال بھی اچھے الفاظ سے بنتا ہے۔ غالب کے ہاں مشکل پسندی پائی جاتی ہے لیکن جب ان کے الفاظ سمجھے جائیں اور غور وفکر کیا جائے تو قاری ان کے معانی و مفہوم کی لذت میں کھو جاتا ہے۔ کچھ اس طرح کی کیفیت آغا ناصر کے ہاں بھی موجود ہے۔ آپ کے بعض الفاظ دقیق اور مشکل تو ہیں لیکن لیکن مطلب کو خوبصورت انداز میں واضح کرتے ہیں۔ آغا ناصر نے قطعیت کے حوالے سے الفاظ کو ایسے نپے تلے انداز میں استعمال کیا ہے کہ یہ صفت (قطعیت) آپ کے اسلوب کی پہچان بن گئی ہے۔ آغا ناصر نے سادگی اور قطعیت سے خوبصورت امتزاج پیدا کیا ہے۔ آپ نے الفاظ کو مہارت اور ڈھنگ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ مہارت اور ڈھنگ آغا ناصر کے ہاں اس طرح ہے کہ آپ نے فکر اور جذبے کے پیچیدہ پہلوؤں سے ایسے الفاظ پیدا کیے ہیں جو معنی و مفاہیم کے لحاظ سے سادہ ہیں۔ آغا ناصر نے اپنی فکر اور جذبے سے اپنے الفاظ کو قطعیت سے لبریز کیا ہے۔ قطعیت کے حوالے سے ماجد مشتاق رائے اپنی تصنیف "فکشن کاا سلوب" میں یوں رقم طراز ہیں:

"ضروری نہیں کہ شاعر یا ادیب ایسی زبان میں بات کرے جو سادہ، رواں اور سلیس ہو۔ مشکل الفاظ اگر مطلب واضح کرتے ہیں تو یہی قطعیت ہے"۔ (۴۲)

سید عابد علی عابد اپنی کتاب "اسلوب" میں قطعیت کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

"سادگی کے مقابلے میں قطعیت اسلوب کی وہ صفتِ خاص ہے جس میں فکر کے سرشتے پیچیدہ اور جذبے کے پہلو دقیق ہوتے ہیں ان کی آمیزش طبعاً ایسے الفاظ کا تقاضا کرتی ہے جو مغلق اور پیچیدہ ہوں لیکن وضاحتِ مطلب کے اعتبار سے وہ کسی طرح سے کم نہ ہوں"۔ (۴۳)

سید عابد علی عابد کی درج بالا بات کے تناظر میں آغا ناصر کی نثر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ سید عابد علی عابد کی کہی ہوئی بات پر پورے اترتے ہیں۔ آپ کے الفاظ پیچیدہ ضرور ہیں تاہم قاری پر ان کے معانی و مطالب اور صحت واضح

ہو جاتی ہے۔ الفاظ کی پیچیدگی اپنے معانی و مفاہیم کے اعتبار سے "آغا سے آغا ناصر تک" میں قطعیت کی صفت کو واضح کرتی ہے۔ آغا ناصر کے ہاں فکر پیچیدہ ضرور ہے مگر الفاظ و مطالب سمجھنے کے لحاظ سے سادہ ہیں۔ آپ کی نثر میں تمام لسانی خوبیاں موجود ہیں جو آپ کی تحریر میں دقیق الفاظ کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کے معانی کو سمجھنے کے حوالے سے بے تکلف ہیں۔ آپ نے اپنی تصنیف "آغاسے آغاناصر تک" میں قطعیت کو بڑے سلیقے سے پرویا ہے۔ آغا ناصر مشکل الفاظ کو بھی اتنی خوش اسلوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ وہ قاری کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ آغا ناصر کے اسلوب میں قطعیت کی وجہ سے موضوعات میں ندرت اور جدت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کی اس کتاب "آغاسے آغاناصر تک" کا جو موضوع "مائٹی اے زMighty A's قطعیت کی بہترین مثال ہے۔

Mighty A's جیسے موضوع کو پڑھنے کے بعد آغا ناصر کی قطعیت کے بارے میں قاری صحیح فیصلہ کر سکتا ہے ۔ آپ نے آپ بیتی کے اندر قطعیت پیدا کر کے اس صنف کے ارتقاء میں اضافہ کیا ہے۔ آپ نے جہاں کہیں بھی الفاظ و تراکیب دقیق اور سنجیدہ استعمال کیے ہیں وہی پر وہ الفاظ اس تصنیف میں قطعیت کی بہترین مثال بن گئے ہیں۔ ان الفاظ کو نہ تو آپ نے طوالت دے کر بوجھل بنایا ہے اور نہ ہی بھاری بھر کم الفاظ جن کے مطالب قاری کی استطاعت سے باہر ہوں۔ آغا ناصر نے مشکل الفاظ استعمال کر کے رعب جھاڑنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ اپنی نثر کے اندر ادبیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے اپنی نثر کو جامع بنانے کے لیے قاری کو کسی مشکل پسندی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ آپ نے قطعیت کے ساتھ ساتھ نثر کو سلاست اور روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ نثر نگار نثر کے اندر ہمیشہ سادگی، روانی اور سلیس زبان استعمال کرے۔ بعض اوقات تحریر کے اندر تاثیر پیدا کرنے کے لیے قطعیت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس کا سادگی بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر قاری نے نگاہ کو نغمہ سے لبریز کرنا ہے تو وہ سادگی کے بجائے قطعیت سے اپنی نگاہ لبریز کر سکتا ہے۔

مختصراً یہ کہ آغا ناصر کی اس نثر میں سادگی و سلاست کے ساتھ ساتھ اختصار و قطعیت نے تحریر کی چاشنی میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بوجھل تراکیب اور بھاری بھر کم لفاظی سے مبرا کرتے ہوئے قاری کے لیے آسان اور سادہ بنا دیا ہے۔ جو آغا ناصر کے اسلوب کا اہم حصہ ہیں۔

آغا ناصر نے اپنی تصنیف "آغاسے آغاناصر تک" میں ایسا اسلوب اپنایا ہے جو سادہ، سہل، بے ساختہ اور تصنع سے پاک ہے۔ آپ نے نئے آنے والے ادیبوں کے لیے نثر میں اسلوبیاتی حوالے سے کئی راہیں ہموار کی ہیں۔ آپ نے اپنے اسلوب میں ایک مصلح اور معمارِ قوم ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کے ادیب ہونے کا ثبوت

بھی دیا ہے۔ آپ کو ان خصوصیات کی بناء پر اگر صاحبِ اسلوب نثر نگار کہا جائے تو یہ غلط نہ ہو گا۔ آپ نے اپنے اسلوب کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ آپ کا اسلوب اپنے ہم عصر ادیبوں، ڈاکٹر عبارت بریلوی، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر جاوید اقبال، مظفر وارثی، قمر علی عباس، آل احمد سرور، شہرت بخاری، کشور ناہید، اختر الایمان اور اداجعفری میں منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔

آغا ناصر کی نثر کا اندازِ بیاں ایسا خوبصورت، دلکش اور دیدہ زیب ہے جس سے آنے والے ادیب بھی متاثر ہوئے ہونگے۔ آپ نے اپنی کتاب میں جو اسلوب اپنایا ہے اس میں لذت اور چاشنی پائی جاتی ہے جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کی زبان علمی بھی ہے اور عوامی بھی۔ آپ نے اپنی زندگی کے جن حقائق وواقعات کو موضوع بنا کر اپنی سوانح حیات میں پیش کیا ہے وہ اسلوب کی جدت اور ندرت کی بہترین مثال ہے۔ آپ کی اس خودنوشت عمری میں سیاسی تلخ حقائق کے بیان میں بھی شگفتگی اور سادگی قائم رہتی ہے۔ آپ نے طویل واقعات کو بیان کرنے میں بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے اسلوب میں چستی، برجستگی اور بے ساختگی ملتی ہے۔ آغا ناصر کی اس تصنیف میں قاری کو کہیں بھی تکلف و تصنع سے نہیں گزرنا پڑتا ہے۔ کسی بھی تحریر میں مبالغہ آرائی اور بے جا طرفداری اس تحریر کی لذت کو نہ صرف پھیکا کرتی ہے بلکہ اس تحریر کے حسن کو بھی مجروح کرتی ہے۔ آغا ناصر کی نثر ان تمام خامیوں سے پاک ہے۔

آغا ناصر نے گہرے مشاہدے، انمول بصیرت اور فنکارانہ گرفت سے اپنی اس تصنیف میں اسلوب کی خوبیوں کو پرویا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں ڈکشن اور جملوں کا انتخاب انتہائی برجستہ، مختصر اور برمحل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اول سے آخر تک آپ کی تصنیف "آغا سے آغا ناصر تک" کو پڑھتے ہوئے قاری کا دھیان ذرا برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا اور اس کی توجہ اس تصنیف میں مرکوز رہتی ہے۔ آغا ناصر کی اس تصنیف کو اسلوبِ نگارش کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس میں پائی جانے والی سادگی، بے ساختگی، برجستگی، قطعیت، مدعانگاری، اختصار اور منطقی انداز نگارش جیسی صفات اس آپ بیتی میں انفرادیت پیدا کر دیتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فیروزالدین، مولوی، "فیروز اللغات"، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص:۹۷

۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، "طیفِ نثر"، مرتبہ: ممتاز منگلوری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۱۸

۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، "ادبی تنقید اور اسلوبیات"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۱۸

۴۔ ایضاً، ص:۱۴

۵۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۴۱

۶۔ ایضاً، ص:۳۸

۷۔ ممتاز شیریں، "معیار"، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص:۱۷

۸۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک"، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء، ص:۱۳۲

۹۔ ایضاً، ص:۶۲، ۶۳

۱۰۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،، "اصنافِ اد ب"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۱۸۳

۱۱۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک" ایضاً، ص:۱۲۰

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۷

۱۳۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، ایضاً، ص:۱۵۳

۱۴۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک"، ایضاً، ص:۲۹

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۹۸

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۱۷

۱۷۔ محمد صفدر ادا، رانا، "اردو آپ بیتی کی تاریخ آغاز سے ۱۸۵۷ء تک" (مقالہ برائے ایم۔فل اردو)، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص:۱۸۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۱۹۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک"، ایضاً، ص:۱۱

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۹

۲۱۔ ایضاً، ص:۴۹

۲۲۔ ایضاً، ص:۱۳

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۶

۲۴۔ ایضاً، ص:۲۱

۲۵۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اردو افسانہ سیاسی وتاریخی تناظر میں"، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۹

۲۶۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک" ایضاً، ص:۱۱

۲۷۔ ایضاً، ص:۳۱۷

۲۸۔ ایضاً، ص:۱۳۵

۲۹۔ ایضاً، ص:۳۱

۳۰۔ ایضاً، ص:۱۶۱

۳۱۔ ایضاً، ص:۱۰

۳۲۔ ایضاً، ص:۱۶۷

۳۳۔ ایضاً، ص:۱۹۷

۳۴۔ عبدالمجید قریشی، "آپ بیتی اردو ادب میں"، الزبیر (آپ بیتی نمبر)، اردو اکادمی، بہاولپور، ۱۹۶۴ء، ص:۲۹

۳۵۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، ایضاً، ص:۹۸

۳۶۔ خالد محمود خان، "فکشن کا اسلوب"، بیکن بک، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۱۰

۳۷۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک" ایضاً، ص:۲۳۵

۳۸۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، ایضاً، ص:۱۱۰

۳۹۔ ایضاً، ص:۱۱۴

۴۰۔ ماجد مشتاق رائے، "اسلوبِ نگارش"، روحی بک ماڈل ٹاؤن، فیصل آباد، ۲۰۱۵ء، ص:۱۵

۴۱۔ آغا ناصر، "آغا سے آغا ناصر تک"، ایضاً، ص:۷۸

۴۲۔ ماجد مشتاق رائے، "اسلوبِ نگارش"، ایضاً، ص:۲۳

۴۳۔ عابد علی عابد، "اسلوب"، ایضاً، ص:۱۰۴